12
صالحہ عابد حسین

12.1 تعارف

صالحہ عابد حسین کا اصل نام مصداق فاطمہ تھا۔ خواجہ غلام الثقلین کی صاحبزادی ڈاکٹر سید عابد حسین کی شریکِ حیات اور خواجہ الطاف حسین حالی کی نواسی تھیں۔ 18 /اگست 1913ء کو پانی پت میں پیدا ہوئیں۔ لکھنے پڑھنے کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ انھوں نے تنقیدی مضامین، خاکے، ڈرامے اور انشائیے بھی لکھے، لیکن ان کی بنیادی حیثیت ایک ناول نویس اور افسانہ نگار کی ہے۔ پورا خاندان گاندھی جی اور ڈاکٹر ذاکر حسین سے متاثر تھا۔ چنانچہ صالحہ عابد حسین بھی اپنے قلم کے ذریعے تحریکِ آزادی میں شریک رہیں۔ انھوں نے اپنے ناولوں، افسانوں اور ڈراموں کے ذریعے انسانی اور تہذیبی قدروں کی روشنی کو عام کیا۔ اپنی تحریروں کے ذریعہ انھوں نے عورتوں کے مسائل اور سماجی خرابیوں کی اصلاح کی طرف بھی توجہ دلائی۔ ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں حکومتِ ہند نے ان کو پدم شری کا اعزاز عطا کیا۔ کئی صوبائی اکادمیوں نے بھی انہیں مختلف انعامات سے نوازا۔ ان کے ناولوں میں عذرا، آتشِ خاموش، قطرے سے گہر ہونے تک، یادوں کے چراغ اور اپنی اپنی صلیب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ افسانوں کے چار مجموعے بھی شائع ہوئے، جن میں نراس میں آس اور درد و درماں کو خاص مقبولیت حاصل ہوئی۔ ان کی کتاب ''یادگارِ حالی'' بہت مشہور ہوئی۔ دہلی میں 8 /جنوری 1988ء کو انتقال ہوا۔

افسانہ ''ایک سوال'' میں انھوں نے عورتوں پر ہونے والے ظلم وستم کے خلاف آواز اٹھائی ہے۔

ماڈیول–II

نوٹس

12.2 آپ کیا سیکھیں گے؟

- نئے الفاظ اور اس کے معنی جانیں گے۔
- محاوروں کا استعمال کرنا سیکھیں گے؛
- عورت پر ہونے والے ظلم وستم سے آگاہ ہو سکیں گے؛
- دیہاتی زندگی کے متعلق ضروری معلومات حاصل کر سکیں گے؛
- عورتوں کے حقوق کے بارے میں جان سکیں گے؛
- صالحہ عابد حسین کے اسلوب سے واقف ہو سکیں گے؛
- کہانی کے مرکزی خیال کو سمجھ کر اپنے لفظوں میں بیان کر سکیں گے۔

12.3 اصل سبق

آیئے اب افسانہ ’’ایک سوال‘‘ پڑھیں۔

ایک سوال

کسی اور جگہ اسے دیکھتی تو جانے کیا سمجھتی مگر ایک ہاتھ میں جھاڑو، دوسرے میں پونچھا کرنے کا جھاڑن اور کوڑے کی بالٹی، شبہے کی گنجائش ہی کہاں تھی۔

آنٹی نے ذرا ٹیڑھی نظروں سے اسے دیکھا۔ بہو تو آج بھی دیر کر کے آئی ہے؟ شریف گھرانوں میں جمعدارن کے لیے لفظ بہو مُروّج ہے۔ وہ اسّی برس کی بڑھیا ہو تب بھی اسے بہو کہا جاتا ہے اور رہتی بھی وہ بہو ہے۔ یہ لمبا ہاتھ بھر کا گھونگھٹ اور سر سے پیر تک چاندی کے زیور، وہ بھی نہ میسّر ہوں تو گلٹ ہی کے زیوروں سے لدی ہوئی! مگر یہ ’’بہو‘‘ عام بہوؤں سے مختلف تھی۔ نہ چہرے پر گھونگھٹ، نہ ڈھیروں زیور، بس ہاتھ میں چار چار چوڑیاں، کانوں میں بندے اور گلے میں ذرا پتلی سبک سی ہنسلی۔ ہاں! پیروں کی انگلیوں میں بچھوے اور ناک میں سونے کی کیل، سہاگ کی نشانی!

’’کیا کروں ماں جی! بچی کو بخار آ رہا ہے۔ رات تو جانے اس کا جی کیسا ہو رہا تھا۔ ساری رات گود میں لیے بیٹھی رہی۔‘‘

ارے، اس کی صورت اور وضع قطع ہی نہیں لب ولہجہ، اندازِ گفتگو بھی بڑے گھروں کی بہو بیٹیوں جیسا ہے۔ میں

شبہے: شک
جمعدارن: صفائی کرنے والی
مروّج: رائج
گِلٹ: ایک قسم کی مخلوط دھات
سُبک: نازک
ہنسلی: ایک زیور جو گلے میں پہنتے ہیں
بچھوے: پیروں میں پہننے والے چھلّے

ماڈیول–II

نوٹس

حیران حیران سی اسے دیکھے جا رہی تھی۔ اس نے ذرا مسکرا کر میری طرف دیکھا تو اس کے موتیوں کی لڑی جیسے دانت دمک رہے تھے۔

’’اماں جی! یہ کون ہیں، کہاں سے آئی ہیں؟ یہ میری بھانجی سمان ہے، بہو۔ اس کی ماں اور ہم دونوں گہری سہیلیاں تھیں۔ تیری دلّی سے آئی ہے، کہانیاں لکھتی ہے۔

آنٹی نے بڑے فخر سے میری طرف دیکھا۔ انھیں اس پر بڑا ناز تھا کہ ان کے قصبے کی بیٹی کہانی کار ہے۔ ویسے میری کہانیاں پڑھتی نہیں تھیں۔

’’اچھا جی۔ دلّی سے آئی ہو آپا جی؟‘‘ اس نے اشتیاق سے پوچھا، گویا میری کہانیوں کو کوئی اہمیت نہیں دی۔

’’میرا بھی دلّی جانے کو بڑا جی چاہتا ہے بی بی۔‘‘

’’تو میرے ساتھ چلی چلنا!‘‘ میں نے کہا تو دم بھر کے لیے خوش ہوگئی، پھر اداسی سے بولی، ’’اجی ہم لوگوں کو کہاں چھٹی ملے ہے، مرنے کی بھی فرصت نہیں‘‘ اور آنٹی کی کڑک دار آواز پر وہ گھبرا کر مڑ گئی۔

’’بس بہت بک بک ہو چکی، اب کام کر، کل سے گھر گندا پڑا ہے۔‘‘

’’اچھا اماں جی اچھا۔ بی بی جی۔ تم ابھی رہو گی نا‘‘، چلتے چلتے اس نے پوچھا، ’’میں بہت دن بعد اپنے قصبے میں ذرا سکون کی تلاش میں آئی تھی۔ کچھ لکھنا پڑھنا بھی چاہتی تھی۔‘‘ میں نے کہا، ’’ہاں ابھی دس پندرہ دن تو ہوں ہی۔‘‘

میں اسے دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ کیا پھُرتی اور صفائی تھی۔ دم میں اِدھر، دم میں اُدھر۔ یہ کمرہ صاف کیا، وہ کمرہ صاف کیا۔ برآمدے میں جھاڑو لگائی، سب جگہ پونچھا کیا، صحن میں جھاڑو دی، اور لیجیے آدھ گھنٹے میں سارا گھر چندن کر دیا۔ بارہ تیرہ برس کی ایک نازک سی لڑکی اس کے ساتھ ساتھ کام کرا رہی تھی اور وہ برابر اسے سکھاتی جاتی تھی۔ ’’یوں نہیں یوں، یوں نہیں یوں، جی جان سے کام کرنے سے کوٹھیوں والے خوش ہووے ہیں بیٹی۔‘‘ میں نے دیکھا کہ وہ بہت باتونی ہے، مگر اس کی باتوں میں ایک رس تھا، لہجے میں ایک کھنک تھی۔ یہ مہترانی ہے یا کسی اچھے گھر کی پڑھی لکھی کارگزار عورت۔

کئی دن گزر گئے وہ آتی، مجھے دیکھتی، مسکرا کر دو چار باتیں کرتی۔ اس کی میری کافی دوستی تھی۔ ایک دن بولی، ’’بی بی میری کہانی بھی لکھوگی۔‘‘ میں نے ہنس کر اسے دیکھا۔ یہ سوال تو کہانی کار سے سبھی کیا کرتے ہیں۔ پھر اس کے چہرے پر ایک سایہ سا آیا اور گزر گیا، ’’بڑی دردناک ہے بی بی میری کہانی‘‘ اور جیسے آنسو چھپانے کو جلدی سے کاموں میں لگ گئی۔

کون اسے دیکھ کر یہ کہہ سکتا تھا کہ وہ چھے بچوں کی ماں ہے۔ اس کا لمبا سیدھا قد، قدرے ابھرا ابھرا جسم، جس کے نشیب وفراز کافی پُرکشش تھے، سرخی مائل سنہری رنگت، بڑی بڑی شربتی آنکھوں پر سیاہ دراز پلکوں کا سایہ۔

اور میں سوچتی رہتی، یہ حسن، یہ جوانی، یہ دلکشی، کیا وہ مقابلۂ حسن میں جائے تو اسے ملکۂ حسن چنا نہ جائے گا۔ کیچڑ میں کنول!

سمان: جیسی، برابر
ناز: فخر
اشتیاق: شوق

صحن: آنگن
گھر چندن کرنا: گھر چمکا دینا
مہترانی: کام کرنے والی

نشیب وفراز: اونچ نیچ

نوٹس

وہ سب کام کاج نبٹا کر دس پندرہ منٹ میری کرسی کے برابر زمین پر پھسکڑا مار کر بیٹھ جاتی اور مجھ سے دلّی اور بمبئی کی باتیں پوچھا کرتی۔ اسے دلّی اور بمبئی دیکھنے کی بڑی تمنا تھی۔ ہمارا قصبہ دلّی سے کچھ زیادہ دور نہ تھا مگر اسے کبھی فرصت ہی نہ ملی کہ اپنی ماں کے میکے جا کر اس کی بہار دیکھتی، بی بی میری ماں خاص دلّی کی تھی۔ ایسی زبان بولتی تھی کہ بس اس کا منہ دیکھتے رہو۔ لوگ کہتے پھول وتی کے منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔ پھر وہ ہنس پڑی۔ گالیاں بھی اس کے منہ سے بری نہ لگتی تھیں لوگوں کو۔

''اور تمھاری گالیاں؟''

''توبہ بی بی جی، میں گالی نہ بکوں ہوں، وہ تو ماں کو کبھی غصّہ آجاوے تھا تو بک دیتی تھی۔ ایک دفعہ کی بات سناؤں۔ بڑی خوبصورت تھی میری ماں......اور بڑی ستی ساوتری......''

''بس جیسی تم ہو......''

''اجی آپ تو مجھے چھیڑتی ہیں بی بی جی۔ بھلا کہاں میں، کہاں وہ۔ تو بی بی ایک بار کسی ججمان نے، اونچی جات کا ایک ادھیڑ مرد وا تھا اور بڑا پیسے والا تھا، اپنی ڈیوڑھی میں اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ارے بی بی، ماں نے بھرا ٹوکرا اس پر ہی الٹ دیا اور ایک ایک زبان میں ہزار ہزار باتیں سنا ڈالیں۔ کہے تھے مہینوں وہ مردوا گھر سے نہیں نکلا اور اس کی جوروا اسے چھوڑ کر میکے جا بیٹھی۔'' وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ کیسی جھنکار تھی اس کی ہنسی میں''اب سمجھ میں آیا نا سندرتا، یہ لب و لہجہ اور کیرکٹر تمھیں ماں سے ورثے میں ملا ہے۔'' اس نے کچھ شرما کر کچھ دکھ سے کہا۔''ارے بی بی یہ سندرتا تو میرے لیے بلا ہوگئی ہے۔ بھگوان نے بدصورت بنایا ہوتا تو مجھے اتنے دکھ نہ جھیلنے پڑتے۔ اب تم ہی بتاؤ بی بی میں ٹھہری کام کرنے والی عورت۔ پورے دس گھروں میں کام کرنا پڑے ہے، بی بی جی۔ اب کیا ہر گھر سے مردُووں کو نکالا دلوادوں؟ مگر وہ جو ہے تمھارا جمعدار۔ اس کمبخت کا منہ ہی سیدھا نہ ہوئے۔ میری تنخواہ کے آدھے پیسے دارو شراب میں اڑا دے ہے۔ پوچھو دس جنوں کا خرچا کیسے پوار کروں، مگر اسے کیا مطلب۔ بس ہر سمے جھک جھک کرتا رہے ہے۔ اس کی شربتی آنکھیں آنسوؤں میں ڈوب گئیں! اور پھر وہ جیسے گھبرا کر کھڑی ہوگئی۔''ابھی تو اور کئی گھروں میں جانا ہے''، ہر جگہ پھٹکار پڑے گی۔ اور یہ جا وہ جا۔

کیا کبھی ان لوگوں کی حالت بدلے گی؟ ہمارے بڑے بڑے ترقی اور مساوات اور برابری کے حامی لیکھکوں نے اس طبقے پر بھی لکھا ہے، نظمیں بھی کہی ہیں، مگر کیا لکھا؟ ان کے حسن، ان کی جوانی، ان کی کشش کا بکھان کیا، مگر سچے دل سے، گہری نظر سے کیا کبھی ان کا دکھ دیکھا؟ سمجھا؟ محسوس کیا کہ یہ لوگ کیسی زندگی گزارتے ہیں۔

اور میں انھیں خیالات میں گم بیٹھی رہی اور سامنے میری کتاب کے اَن لکھے ورق ہوا میں پھڑ پھڑاتے رہے۔

اس دن میرے گھر پر ایک میٹنگ تھی............شام کو پبلک جلسہ تھا اور اس میں ہم سب کو بولنا تھا عورتوں کی حالت پر، ان کے حقوق پر، ان کے کارناموں پر۔ خواتین کا بین الاقوامی سال ہے نا، بھلا ہمارے قصبے کی عورتیں کیوں پیچھے رہتیں۔ اور پھر اور کچھ ملے یا نہ ملے، اس بہانے اخباروں میں نام اور شاید تصویریں تو آ ہی سکتی ہیں۔

پھسکڑا مار کر بیٹھنا: اَلتی پالتی مار کر بیٹھنا
ستی ساوتری: پاکیزہ عورت
ججمان: مالک
جوروا: بیوی
سندرتا: خوبصورتی
بلا: مصیبت
مردووں: جمع مرد کی
جنوں: لوگوں
سمے: وقت
لیکھک: تخلیق کار
بکھان کرنا: تعریف کرنا
ان لکھے: بغیر لکھے
پبلک: عوامی

بحث زوروں پر ہو رہی تھی۔ ایک کا خیال تھا کہ دنیا کو اب عورتوں کے سامنے جھکنا ہی پڑے گا۔ دوسری کہہ رہی تھی۔ اجی ہوتے ہوتے سب ملکوں کی حکومت عورت کے ہاتھ میں آ جائے گی۔ تیسری کا کہنا تھا کہ دنیا سے جنگ اور خون خرابا تبھی مٹ سکتا ہے جب سیاست عورت کے ہاتھ میں ہو۔ آنٹی کا بڑا بیٹا سب پر فقرے کس رہا تھا، ارے عورتوں سے زیادہ کون جھگڑالو ہوگا۔ دیکھنا ایک کا جھونٹا دوسرے کے ہاتھ میں نہ ہو تو، اور آنٹی ہاں میں ہاں ملا رہی تھیں اور کیا...... ہم عورتیں بھلا حکومت وکومت، سیاست ویاست کیا جانیں۔ اور چاچا جی ایک طرف بیٹھے حُقّہ گڑگڑاتے پوپلی ہنسی ہنس کر بولے، اجی مرغی اذان دیتی بھلی نہ لگے ہے۔ یہ کہہ کر وہ ہر اس عورت کی توہین کرتے تھے جو گھر سے باہر کے کسی کام میں حصہ لیتی تھی۔ ''ہاں بابا عورت تو گھر ہی میں اچھی لگتی ہے۔'' بیٹے نے ہاں میں ہاں ملائی اور مسکرا کر مجھے دیکھا، مگر خدا بچائے ان قلم کے سپاہیوں سے۔ ہمیں تو بس ان سے ڈر لگتا ہے۔ میری جان پہلے ہی جل رہی تھی۔ اس کی باتیں اور بھی زہر لگیں، مگر میں چپ رہی۔ میرا ذہن جانے کہاں بھٹک رہا تھا۔ عورت، عورت، عورت سے ان کا مطلب کیا ہے؟ کیا صرف اپر کلاس کی تعلیم یافتہ، اپ ٹو ڈیٹ اور الٹرا ماڈرن عورت، عورت ہے؟ یا مڈل کلاس کی پڑھی لکھی عورتیں جو کالجوں، اسکولوں میں پڑھتی اور پڑھاتی ہیں، سیاسی اور سماجی کام کرتی ہیں، مردوں سے اپنے حقوق مانگا کرتی ہیں (ملیں یا نہ ملیں، اس سے بحث نہیں) وہ عورت ہیں؟ کیا صرف ووٹ کا حق مل جانا عورت کے لیے کافی ہے؟ یا حکومت میں بڑے بڑے عہدے چند عورتوں کو مل جائیں تو ہم سر اونچا کر کے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے دیس میں عورت کو سب حق مل گئے ہیں؟ آخر ہم کس کے حقوق کے لیے آواز بلند کر رہے ہیں۔ کیا قصبوں اور دیہاتوں کی ان عورتوں کے لیے، جن تک ابھی علم کی روشنی نہیں پہنچی ہے، نہ اپنے حقوق کا انھیں احساس ہے؟ کیا ہم کسان اور مزدور عورتوں کے لیے اس بین الاقوامی خواتین سال میں کام کر رہے ہیں۔ کیا یہ عورت عورت نہیں۔ مگر ہم اس کے لیے کیا کر رہے ہیں۔ وہ اپنے لیے کیا کر سکتی ہے۔ بکھرے الجھے بہت سے سوال میرے ذہن میں گونج رہے تھے، ہمیشہ ہی گونجا کرتے ہیں۔ تم کیوں چپ ہو۔ ایک دوست نے چھیڑا۔

''کسی کہانی کا پلاٹ سوچا جا رہا ہوگا۔'' دوسری نے فقرہ کسا!

''اجی افسانہ نگار ٹھہریں۔ ہم میں سے کسی کی خیر نہیں''، آواز گونجی......

''بہو پر آج پھر کوئی مصیبت ٹوٹی ہے...... ایک بجنے والا ہے اب تک نہیں آئی۔''

اور ایک بجنے کی خبر پر سب چونک پڑیں۔ شام کے جلسے میں شرکت کرنا اور انتظام کرنا تھا۔ چند منٹ میں سب مہمان رخصت ہو گئے۔ مجھے پھول رانی کی فکر تھی، آج کیوں نہیں آئی۔

اس کا سر جھکا ہوا تھا، سوتی میلی ساڑھی پر جگہ جگہ خون کے دھبّے سوکھ کر کتھئی ہو گئے تھے، منہ سُوجا ہوا۔ آنکھیں مُتورِّم اور ہونٹ ذرا سا زخمی۔ میں دھک سے رہ گئی۔ کیا ہوا پھول رانی کو؟

آنٹی نے اس پر برسنا شروع کر دیا مگر وہ بغیر کوئی جواب دیے، سر جھکائے جھاڑو لگاتی رہی۔ میں کمروں میں اس کے ساتھ ساتھ گھوم رہی تھی اور وہ مجھ سے آنکھیں چرا رہی تھی۔ آخر، میں رہ نہ سکی۔

جھونٹا: سر کے بال

پوپلی ہنسی: کھوکھلی ہنسی

توہین: بے عزتی

قلم کے سپاہی: قلم کار، تخلیق کار

اپر کلاس: اعلیٰ طبقہ

اپ ٹو ڈیٹ: باخبر

الٹرا ماڈرن: جدید ترین

مڈل کلاس: متوسط طبقہ

بین الاقوامی خواتین سال: اقوام متحدہ کی طرف سے ہر سال مخصوص سال منایا جاتا ہے۔ اس افسانے میں اُس برس کا ذکر کیا گیا ہے، جب عورتوں پر سال منایا جا رہا تھا۔

متورم: جس میں ورم پیدا ہو گیا ہو

ماڈیول–II

نوٹس

’’کیا بات ہے پھول رانی۔ خیریت تو ہے نا؟‘‘ اس نے جھاڑو ایک طرف ڈال دی اور دھپ سے زمین پر بیٹھ گئی۔ ایک غرور، ایک ناز، ایک شان جو اس کی شخصیت کا جُز تھی، آج غائب تھی (جی ہاں شخصیت میں سمجھتی ہوں کہ شخصیت صرف پیسے والوں، علم والوں ہی کی ملکیت کی کوئی چیز نہیں ہوتی) اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے میری طرف دیکھا۔ یہ مسلی کچلی، مظلوم ہستی تھی، میری دوست پھول رانی نہیں۔

’’بچے تو اچھے ہیں نا؟‘‘ میری سمجھ میں یہی آیا کہ کوئی بچّہ سخت بیمار ہے۔ ’’بی بی‘‘ اس نے روتے ہوئے کہا۔ ’’بچے کو چار دن سے بخار آ رہا ہے۔ تم جانو ہزاروں ارمانوں، گنڈے تعویذوں، منّتوں مرادوں کے بعد تو یہ بچہ ہوا ہے، جب بھی لڑکی ہوتی ان کا باوا مارنے مرنے پر تل جاوے تھا کہ مجھے بیٹا چاہیے اور تو بیٹی جنے جاوے ہے۔ جیسے یہ بھی میرا دوش تھا۔‘‘ وہ ذرا رُکی اور میں سوچنے لگی، اسی طبقے پر کیا منحصر ہے، یہ حماقت تو بڑے بڑے پڑھے لکھے روشن خیال لوگ کرتے ہیں۔

’’بی بی دو برس پہلے بھگوان نے یہ پھونسڑا دیا۔ اس کی بیماری مجھے پاگل سا کر دے ہے۔ کل سے تیز بخار تھا۔ سارے دن کام کیا اور رات بھر اسے لیے بیٹھی رہی۔ اس نے رو رو کر سارا گھر سر پر اٹھا لیا۔

مگر یہ خون کے دھبّے اور اچانک میرے ذہن میں کوندا سا لپکا، اس کے میاں نے مارا تو نہیں، اسے؟

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی...... ’’بی بی یہ کون نئی بات ہے، روز ہی وہ مجھے مارے ہے۔‘‘

اور پھر ہچکیوں کے درمیان وہ اپنی بپتا سنانے لگی......!

’’روز ہی دُھنک کر رکھ دے ہے موا، نہ کمانے کا نہ دھمانے کا مسٹنڈا بیٹھ کر کھاوے ہے۔ چودہ برس کی بیاہی آئی تھی، سولہ سترہ برس بیاہ کو ہوگئے۔ سات دن بعد یہ جھاڑو پونچھا ہاتھ میں سنبھالا تو سات لڑکیاں جنیں۔ دو مر گئیں اور پھر ایک یہ لڑکا، پر مجھے کبھی آرام نہ ملا۔ چلّا بھی پورا نہ ہوئے ہے کہ کام پر آنے لگوں ہوں۔ یہ چھاتی پر پانچ پہاڑ جو ہیں، ان کو کون سنبھالے گا۔

وہ شاید بات ٹال رہی تھی۔ ’’مگر آج کیا ہوا۔ اس نے مارا کیوں؟‘‘ کہانی کار کی بے رحم رگ پھڑک اٹھی تھی۔

’’اجی ہوتا کیا۔ اسے میرا کھانا پینا، ہنسنا بولنا سبھی زہر لگے ہے۔ یہاں کیوں کھڑی تھی، اس سے کیوں بات کی تھی۔ دکان پر کیوں ہنس رہی تھی کھڑی۔ پوچھو جب تو خود کچھ نہ کرے گا تو کام کاج کرنے میں نہ جاؤں گی تو پھر کیا ہوگا۔ بی بی جی، ہماری جات میں اسی مار دھاڑ ظلم وستم کے پیچھے جانیں کتنی لُگائیاں زہر کھا لے وے ہیں یا پھر کسی کے ساتھ بھاگ جاوے ہیں۔ تم ہی کہو میں کروں تو کیا کروں بی بی۔ نکھٹّو روز دارو پی کر ہوش وحواس کھو دے ہے، مجھے عیب لگاوے ہے، خود دنیا بھر کا آوارہ ہے موا۔ بی بی میں عیب کرنا چاہوں تو بستی میں دو چار نہیں دس بیس مرد مجھے سونے سے پیلی کر دیں۔ پر بی بی میں اسی ماں کی بیٹی ہوں جس نے بدنگاہ مردوے پر ٹوکرا الٹ دیا تھا۔‘‘ اس کا سر اچانک بلند ہوگیا، چہرے پر غرور کی سرخی چھا گئی، مگر اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب تھا۔ پیٹ دو وقت سے خالی تھا۔

ناز: گھمنڈ

جز: حصہ

مظلوم: جس پر ظلم کیا گیا ہو۔

باوا: باپ

دوش: قصور

روشن خیال: کھلے ذہن والے

ذہن میں کوندا سا لپکا: مراد، اچانک کسی خیال کا ذہن میں آ جانا

دُھنک کے رکھ دینا: بری طرح مارنا پیٹنا

مسٹنڈا: موٹا تازہ

چلّا: چالیس دن

لُگائیاں: عورتیں، بیویاں

نکھٹّو: کام چور

آنٹی اسے بڑے پیار سے چائے روٹی کھلا رہی تھیں۔ میں چپ چاپ بیٹھی تھی۔ جیسے ہاتھ پیر سن ہو گئے ہیں۔ کیا میں آج شام کے جلسے میں کچھ بول سکوں گی؟

پھول وتی، پھول رانی، رام وتی، بسنتی، لاجونتی اور اسی جیسی ہزاروں لاکھوں عورتیں۔ یہ جو صدیوں سے ہماری خدمت کر رہی ہیں، جو آج بھی آزاد ہند میں ہماری سیوا کرتی ہیں، ہماری گندگی ڈھوتی ہیں، انھیں ہم نے کیا دیا؟ آئین سے انھیں کچھ حق ملے ہیں۔ وہ بڑے فخر سے ووٹ ڈالنے جاتی ہیں اور بس۔ اس سماج نے کیا دیا؟ مرد کے سماج نے؟ رسم و رواج نے؟ ذلت، نامرادی، مشقت......اور وہ نکھٹو مرد، جو اس کا کھاتا اور اسی پر غرّاتا، مارتا ہے، ذلیل کرتا ہے، اسے بدچلن کہتا ہے اور خود آوارگی کرتا ہے۔ یہی ہے وہ برابری؟ کیا کیا ہے ہم نے ابھی اپنے ملک کی عورت کے لیے؟

مجھے کوئی اس سوال کا جواب دے۔

سیوا: خدمت

12.4 متن کی تشریح

''کسی اور جگہ میں اسے دیکھتی .... کسی اچھے گھر کی پڑھی لکھی کار گزار عورت۔''

کہانی کے اس حصے میں افسانہ نگار نے اس کی ہیروئن پھول رانی کا تعارف کرایا ہے۔ یہ ایک ایسی نوکرانی ہے جو مختلف گھروں میں کام کرتی ہے۔ وہ خوبصورت عورت ہے اور دوسری نوکرانیوں سے بہت مختلف ہے۔ نہ تو وہ بہت زیادہ بھڑکیلے کپڑے پہنتی ہے اور نہ بھاری زیور پہنتی ہے۔ اس کا رہن سہن اور بولنے کا انداز ایسا ہے جیسے بڑے گھرانے کی عورتوں کا ہوتا ہے۔ مصنّفہ نے اپنا تعارف ایک افسانہ نگار کے طور پر کرایا ہے۔ اس کہانی میں وہ خود اس افسانے کا ایک کردار ہیں۔ مصنّفہ خود دلّی کی رہنے والی ہیں، جو اپنی منہ بولی خالہ کے پاس آب و ہوا کی تبدیلی کے لیے آئی ہیں۔ وہ جمعدارنی کی بات چیت، تہذیب اور اس کے اچھے ڈھنگ سے کام کرنے کے انداز سے متاثر ہوتی ہیں۔ جمعدارنی جو 'بہو' کے نام سے جانی جاتی ہے، عام نوکرانیوں سے الگ ہے کیونکہ وہ ایمانداری اور بڑی تیزی کے ساتھ اپنا کام انجام دیتی ہے۔

12.5 زبان کے بارے میں

1۔ 'جی کیسا ہونا' محاورہ ہے جس کا استعمال افسانے میں ہوا ہے اور جس کا مطلب ہے اندر سے طبیعت کا خراب ہونا یا بگڑنا۔

2۔ ''چندن کرنا'' محاورہ ہے، جس کا مطلب ہے چمکا دینا۔ ''گھر چندن کر دیا'' یعنی گھر کو صاف ستھرا کر کے چمکا دیا۔

متن پر مبنی سوالات 12.1

صحیح جواب صحیح (✓) کا نشان لگائیے۔

1۔ جمعدارن کے لیے لفظ ''بہو'' مروّج ہے:

(a شریف گھرانوں میں

(b ہندو گھرانوں میں

(c مسلم گھرانوں میں

2۔ ہنسلی پہنی جاتی ہے:

(a کان میں

(b گلے میں

(c ناک میں

3۔ جمعدارنی کا کام ہوتا ہے:

(a صفائی کرنا

(b بچے پالنا

(c کپڑے دھونا

4۔ موتیوں کی لڑی جیسے دمک رہے تھے:

(a دانت

(b ہاتھ

(c کان

5۔ مصنّفہ لکھتی ہیں:

(a غزلیں

(b نظمیں

(c کہانیاں

6۔ آنٹی نے ذرا............نظروں سے اسے دیکھا:

(a ٹیڑھی

(b سیدھی

(c ترچھی

d) کھلی

7۔ کالم 'الف' اور کالم 'ب' کو ملا کر جملوں کو مکمل کریں۔

''الف''	''ب''
1۔ شریف گھرانوں میں جمعدارن	i۔ بچی کو بخار آرہا ہے۔
2۔ کیا کروں ماں جی!	ii۔ گہری سہیلیاں تھیں۔
3۔ میں حیران حیران سی	iii۔ تو دم بھر کے لیے خوش ہوگئی۔
4۔ اس کی ماں اور ہم دونوں	iv۔ کے لیے لفظ بہو مروّج ہے۔
5۔ تو میرے ساتھ چلی چلنا میں نے کہا	v۔ اسے دیکھے جارہی تھی۔

12.6 متن کی تشریح

''کئی دن گزر گئے.................. میرا ذہن جانے کہاں بھٹک رہا تھا۔''

اس حصّے میں یہ سوال ابھر کر سامنے آتا ہے کہ کیا سماج کے دبے کُچلے لوگوں اور عورتوں کو بھی کہانی کا کردار بنایا جا سکتا ہے۔ خود سے سوال کرنے کے فوراً بعد افسانہ نگار کو خیال آیا کہ پھول وتی کی کہانی تو بہت زیادہ درد بھری ہے۔ اسی دوران پھول متی کے چہرے پر ایک غم کا سایہ آیا اور چلا گیا۔ اپنے دکھ کو چھپانے کے لیے وہ دوسرے کاموں میں مصروف ہوگئی۔ مصنفہ نے اس کہانی کی ہیروئن کو بہت خوبصورت اور دلکش دکھانے کی کوشش کی ہے اور ان کا خیال ہے کہ یہ جمعدارنی اتنی حسین وجمیل ہے کہ اگر وہ حُسن کے مقابلے میں حصہ لے گی تو ضرور حُسن کی مَلِکہ چنی جائے گی۔ پھول رانی جو ہیروئن ہے، اس کی ماں کا نام پھول وتی ہے۔ وہ بھی بہت خوبصورت عورت تھی اور جب وہ بات کرتی تھی تو ایسا لگتا تھا اس کے منہ سے پھول جیسے اس کے منہ سے پھول جھڑ رہے ہوں، یعنی اس کی زبان میں اتنی مٹھاس تھی کہ اگر وہ کسی کو گالی بھی دیتی تھی تو بھی اس کے منہ سے بری نہیں لگتی تھی۔ وہ ایک پاکیزہ عورت تھی۔ ایک مرتبہ کسی جمّان نے پھول وتی کو چھیڑ دیا تھا۔ تو اس پر اس کو اتنا غصہ آیا کہ پورا کوڑے کا ٹوکرا اس شخص کے سر پر الٹ دیا اور اس کو ہزار گالیاں دیں۔ مصنفہ کا خیال ہے کہ یہ خوبصورتی، یہ صاف ستھرا کیرکٹر، اس کو اپنی ماں سے وِرثے میں ملا ہے۔ لیکن اپنی تعریف سن کر پھول رانی خوش نہیں ہوئی۔ اس کا سوچنا یہ تھا کہ اگر وہ بدصورت ہوتی تو زیادہ بہتر ہوتا کیونکہ یہ حُسن تو اس کے لیے وبالِ جان ہوگیا ہے اور آج اس خوبصورتی کی وجہ سے اسے اتنی تکلیفیں برداشت کرنی پڑ رہی ہیں۔ اسے دس گھروں میں کام کرنا پڑتا ہے اور ہر جگہ اس کا حُسن اس کے لیے عذاب بن جاتا ہے۔ معاشرے میں عورت کا حسین ہونا بھی کئی اعتبار سے خطرناک ہے۔ ہر وقت ہوس بھری نگاہیں اس کا پیچھا کرتی ہیں۔ خود اس کا شوہر بھی شک بھری نگاہوں سے اسے دیکھتا ہے اور معاملہ ستانے اور مارنے تک پہنچ جاتا ہے۔ ایسے میں عورت جس حُسن پر ناز کرتی ہے، وہی حُسن اس کے لیے وبالِ جان بن جاتا ہے۔ کہانی کار کے سامنے پھول رانی ہے جو شوہر سے ہر بات پر پٹتی ہے۔

ماڈیول–II

نوٹس

دوسری طرف عورت کی حالت پر ہونے والے سیمینار اور مذاکرے میں مردوں اور عورتوں کی آرا ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ مرد، عورت کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ وہ سیاست وغیرہ میں حصہ لے کیونکہ مردوں کے مطابق عورتوں میں اعتماد کی کمی ہوتی ہے اور ان کی عادت ہے کہ جہاں چند عورتیں جمع ہو جاتی ہیں، آپس میں لڑ پڑتی ہیں۔ دوسری طرف افسانہ نگار کے ذہن میں عورتوں کے حالات کو سدھارنے سے متعلق ایسے سوالات ہیں جن کے جوابات معاشرے کو ڈھونڈنے ہیں۔

12.7 زبان کے بارے میں

- کئی اچھے محاوروں کا استعمال ہوا ہے، ''کیچڑ میں کنول''۔ کنول ایک پھول کا نام ہے جس کے لیے مشہور ہے کہ وہ بہت خوبصورت اور پُرکشش ہوتا ہے۔ یہاں ہیروئن کی خوبصورتی کو کنول سے تشبیہ دی گئی ہے۔
- ''منہ سے پھول جھڑنا'' محاورہ ہے جس کا مطلب ہے میٹھی اور دل کو لبھانے والی آواز اور بات کہنے کا پُرکشش انداز۔ اگر کوئی اس طرح بولتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں۔ یہاں ہیروئن کی ماں کے لیے یہ محاورہ استعمال ہوا ہے۔
- ''مرغی اذان دیتی اچھی نہ لگے ہے۔'' ایک محاورہ کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ اس کا مطلب ہے عورت کا گھر سے باہر نکل کر کوئی بھی کام کرنا اچھا نہیں لگتا یا اس کو اچھا نہیں سمجھا جاتا۔
- اردو بولیوں کا استعمال کیا گیا ہے، کیونکہ افسانے کا کردار ایک غیر ترقی یافتہ طبقے سے تعلق رکھتا ہے۔ مصنفہ نے اسی اعتبار سے زبان کا استعمال کیا ہے۔ جیسے ماں کو غصہ آ جاوے تھا۔ ادھیڑ مردوا، مردوؤں وغیرہ۔

  ججمان، جات، جورو، سندرتا، لیکھکوں، بکھان اور میٹنگ اور پبلک جیسے ہندی اور انگریزی الفاظ کے استعمال کیے گئے ہیں۔

متن پر مبنی سوالات 12.2

1۔ صحیح جواب پر صحیح (✓) کا نشان لگائیے۔

یہ سوال تو کہانی کار سے سبھی کیا کرتے ہیں:

a) میری تصویر بھی بناؤ گی؟

b) میری فلم بھی بناؤ گی؟

c) میری کہانی بھی لکھو گی؟

2۔ میری ماں خاص تھی:

a) دلّی کی

b) بمبئی کی

c) چنئی کی

3۔ گھر سے نکالا دلواؤں:

a) عورتوں

b) بچوں

c) مردوں

4۔ شام کو پبلک جلسہ کس موضوع پر تھا؟

a) عورتوں کے فرائض پر

b) عورتوں کے حقوق پر

c) عورتوں کی ذمے داریوں پر

5۔ ''اجی مرغی اذان دیتی بھلی نہ لگے ہے'' کس نے کہا؟

a) چاچا جی

b) آنٹی

c) آنٹی کا بیٹا

6۔ خالی جگہوں کو متن کی مدد سے پُر کریں۔

بی بی میری............بھی لکھوگی۔

a) کہانی

b) افسانہ

c) ناول

7۔ ہاں بابا............تُو گھر ہی میں اچھی لگتی ہے۔

a) مرد

b) بچہ

c) عورت

12.8 متن کی تشریح

''عورت، عورت، عورت سے اُن کا مطلب کیا ہے............مجھے اس سوال کا کوئی جواب دے۔''

کہانی کے اس حصّے میں سیمیناروں میں عورتوں کے حقوق اور اُن کی آزادی سے متعلق ہونے والے بحث

ماڈیول–II

نوٹس

ومباحثے کا منظر پیش کیا گیا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ باتیں کتنی کھوکھلی ہیں اور عملی زندگی سے کتنی دور ہیں۔ مثال کے طور پر اس کہانی کے مرکزی کردار پھول رانی کو دیکھیے۔ آپ نے پڑھا کہ پھول رانی انتہائی خوبصورت، سلیقے مند عورت ہے، جسے دیکھ کر ایک پڑھی لکھی عورت بھی حیرت میں ہے۔ یہاں کہا جارہا ہے کہ عورت کو ووٹ دینے کا اختیار مل گیا ہے۔ عورت اب زندگی کے ہر میدان میں آگے بڑھ رہی ہے۔ عین اسی وقت کہانی لکھنے والی عورت کے ذہن میں بہت سارے سوالات اٹھ رہے ہیں جن کا مطلب ہے، جیسے عورت سے کیا مراد ہے؟ عورت سے مراد چند پڑھی لکھی وہ عورتیں ہیں جن کے حالات اچھے ہوگئے ہیں، یا وہ عورت جو دیہات میں محنت مزدوری کر کے اپنے شوہر اور بچوں کا پیٹ پالتی ہے اور اس کے باوجود طرح طرح کے ظلم برداشت کرتی ہے۔ یہی سوالات ابھی افسانہ نگار کے دماغ میں ابھر رہے تھے کہ پھول رانی اس دن دیر سے کام پر آتی ہے، کیونکہ اس دن اس کے بچے کو بخار تھا اور اس کے شرابی شوہر نے اس کو ہزار بہانوں سے مارا۔ وہ اس پر شک کرتا تھا۔ افسانہ نگار نے جب پھول رانی سے اس کی وجہ پوچھی تو اس کو بہت حیرانی ہوئی اور اس کے ذہن میں جو سوالات پیدا ہوئے تھے، ان کی تصویریں اس کے سامنے آجاتی ہیں۔ اس طرح اس حصے میں ایک تحریک کی شکل میں افسانہ نگار اور اس افسانہ کے پڑھنے والوں کے ذہنوں میں یہ سوالات قائم ہوتے ہیں کہ اپنے سماج میں ایک ایسی تحریک چلانے کی ضرورت ہے جس میں صحیح معنوں میں عورت کی اصلاح کے سلسلے میں قدم اٹھایا جائے، ورنہ سیمیناروں کی کھوکھلی بحثوں میں کچھ نہیں رکھا ہے۔

12.9 زبان کے بارے میں

- ''دھنک کر رکھ دے ہے مُوا'' دھنکنے کا لفظ عام طور پر روئی کے دھنکنے کے لیے آتا ہے۔ لیکن یہاں افسانہ نگار نے پھول رانی کے لیے استعمال کیا ہے کہ اس کا شوہر اس کو دھنک کر رکھ دیا کرتا تھا، یعنی بہت زیادہ مارتا پیٹتا تھا۔
- ''مسٹنڈا بیٹھ کر کھاوے ہے، پھول رانی کے شوہر کے لیے استعمال ہوا ہے۔ وہ اس کی کمائی کھا کھا کر خوب موٹا تازہ ہوگیا تھا اور کوئی کام نہیں کرتا تھا۔ بس بیٹھ کر اپنی بیوی کی کمائی کھاتا تھا۔
- بہت سے الفاظ اور جملے پورے پورے عام بول چال سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے لگائیاں، زہر کھالے وے ہیں۔ بھاگ جاوے ہیں۔ عیب لگاوے ہے۔
- ھندی اور انگریزی زبان کے بہت سے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً ''جنے جاوے ہے'' جس کا مطلب ہے پیدا کرنا۔ دوش کا مطلب ہے قصور، سیوا کا مطلب ہے خدمت، انگریزی کے اپر کلاس کا مطلب ہے اونچا طبقہ، الٹرا ماڈرن کا مطلب ہے جدید ترین، میڈیم کلاس کا مطلب ہے متوسط طبقہ۔

ماڈیول–II

نوٹس

متن پر مبنی سوالات 12.3

کالم 'الف' اور کالم 'ب' کو ملا کر جملوں کو مکمل کریں:

1۔

"الف"	"ب"
(1) ایک کا خیال تھا کہ	(i) ایک بجنے والا ہے اب تک نہیں آئی۔
(2) مگر خدا بچائے ان قلم کے سپاہیوں سے	(ii) کوئی بچہ سخت بیمار ہے۔
(3) بہو پر آج پھر کوئی مصیبت ٹوٹی ہے	(iii) ہمیں تو بس اب ان سے ڈر لگتا ہے۔
(4) مجھے پھول رانی کی فکر تھی	(iv) آج کیوں نہیں آئی۔
(5) میری سمجھ میں یہی آیا کہ	(v) دنیا کو اب عورتوں کے سامنے جھکنا ہی پڑے گا۔

II۔ خالی جگہ کو متن کی مدد سے پُر کیجیے

1۔ آنٹی نے اس پر..........شروع کر دیا:

a) برسنا

b) ہنسنا

c) رونا

2۔ اس افسانے کی ہیروئن کا نام کیا ہے؟

a) پھول وتی

b) صالحہ عابد حسین

c) پھول رانی

3۔ نیچے دیے گئے جملوں کے سامنے صحیح (✓) کا یا غلط (x) کا نشان لگایئے:

a) پھول رانی کو اس کا شوہر بہت مارتا پیٹتا تھا۔

b) پھول رانی ایک بدصورت عورت تھی۔

c) پھول رانی کی ماں کا نام کنول دئی تھا

12.10 اندازِ بیان

اس افسانے کا اندازِ بیان سیدھا سادا اور شگفتہ ہے۔ کہانی کے ذریعے وعظ و نصیحت دی گئی ہے۔ کہانی میں دو طبقوں کے کرداروں اور ان کے رہن سہن کا ذکر ہے۔ بیانیہ بہت رواں اور بامحاورہ ہے۔ مکالمے، کرداروں کے معیار کے مطابق ہیں، جس کی وجہ سے اسلوب میں اصلیت اور حقیقت نگاری پیدا ہوگئی ہے۔ محاوروں کے استعمال

سے افسانے کی نثر میں بول چال کی خاصیت پیدا ہوگئی ہے۔ کرداروں کے مخصوص تلفظ اور لہجے کی وجہ سے دل نشینی اور جاذبیت پیدا ہوگئی ہے۔ افسانہ نگار کو جزئیات نگاری پر عبور حاصل ہے۔ وہ کسی منظر کی عکاسی کرتے وقت چیزوں اور کرداروں کی حرکات وسکنات کی خوبصورت تصویر کھینچنے میں کامیاب ہیں۔ زبان سادہ اور رواں ہے۔

12.11 آپ نے کیا سیکھا

- نئے الفاظ اور نئے محاوروں کا استعمال سیکھا۔
- ہندی اور انگریزی زبان کے نئے الفاظ سیکھا۔
- عورتوں کے حقوق کے تحفظ سے متعلق ضروری جانکاری حاصل کی۔
- دیہاتی زندگی اور وہاں کی بول چال کے طور طریقے کے بارے میں ضروری معلومات حاصل ہوئیں۔
- نچلے طبقے کی خواتین پر ہونے والے ظلم وستم کو جانا اور اس کے خلاف احتجاج کرنا سیکھا۔
- سماج میں عورت کی بدلتی ہوئی حیثیت کا علم ہوا۔
- اچھی تربیت کا اثر انسان کی شخصیت پر ہمیشہ اچھا پڑتا ہے۔
- چونکہ افسانہ نگار خود ایک عورت ہے، اس لیے انھوں نے ایک عورت کے جذبات اور نفسیات کی عکاسی بہت خوبصورت انداز میں کی ہے۔
- چونکہ اس افسانے کا عنوان ''ایک سوال'' ہے۔ لہٰذا کہانی پڑھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ سوال آج بھی عورت کی جملہ حیثیت پر قارئین کو غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔

12.12 اختتامی سوالات

1۔ ''ایک سوال'' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

2۔ ہمارے سماج میں عورت کا کیا مقام ہے؟

3۔ خواتین کا بین الاقوامی سال کیوں منایا جاتا ہے؟

4۔ اس افسانے میں صالحہ عابد حسین نے عورتوں کے کن مسائل کی طرف توجہ دلائی ہے؟

5۔ اس افسانے کی ہیروئن کا نام کیا ہے؟ اس کے متعلق چار پانچ جملے لکھیے۔

6۔ اس افسانے میں آپ کو کون سا کردار سب سے زیادہ پسند آیا اور کیوں؟

7۔ پھول رانی گھر گھر کام کرنے پر کیوں مجبور ہے؟

8۔ صالحہ عابد حسین اپنی خالہ کے گھر کیوں تشریف لائی ہیں، وہ کہاں کی رہنے والی ہیں؟

12.13 مزید مطالعہ

- صالحہ عابد حسین کے دوسرے افسانوں کا مطالعہ کیجیے۔ جو افسانہ آپ کو زیادہ پسند آئے، اسے اپنے دوستوں کو سنائیے اور اپنی کاپی پر بھی لکھیے۔

متن پر مبنی سوالات کے جوابات

12.1

1۔ a

2۔ b

3۔ a

4۔ a

5۔ c

6۔ a

7۔ 1۔ iv

2۔ i

3۔ v

4۔ ii

5۔ iii

12.2

1۔ c

2۔ a

3۔ c

4۔ b

5۔ a

6۔ b

7۔ c

ماڈیول–II

نوٹس

12.3

I 1۔ v

2۔ iii

3۔ iv

4۔ i

5۔ ii

II 1۔ a

2۔ c

3۔ (a) ✓

4۔ x

5۔ x

6۔ x

مضمون

اردو میں مضمون نگاری کی ابتدا1845ء کے آس پاس دہلی کالج کے زیر اثر ہوئی مگر اس کی مقبولیت کا زمانہ 1857ء کے بعد کا زمانہ مانا جاتا ہے، جب سرسید کی تحریک یعنی علی گڑھ تحریک اپنے شباب پر تھی۔ مضمون نگاری نے اردو نثر نگاری کے فروغ میں اہم حصہ لیا۔ ہندوستان میں پریس قائم ہونے کے بعد مضمون نگاری کے لیے فضا ہموار ہوگئی۔ سرسید کی کوششوں سے نکلنے والے اردو کے عہد ساز رسالے ''تہذیب الاخلاق'' نے مضمون نگاری کی روایت کو مستحکم کردیا۔

مضمون نگار، مضمون کو کئی اجزاء میں تقسیم کرتا ہے۔ سب سے پہلے وہ مضمون کے لیے ''عنوان'' منتخب کرتا ہے۔ ذیلی عنوانات بھی قائم کرتا ہے۔ یہیں پر مضمون نگار اپنے موضوع کی وضاحت کے لیے دلیلیں فراہم کرتا ہے، سوالات قائم کرتا ہے اور ان کے جوابات دیتا ہے۔ اس طرح خاتمے والے حصے میں وہ اپنے مطالعے کا حاصل لکھ دیتا ہے کہ وہ اس مضمون میں جو بات کہنا چاہتا تھا، اسے اس نے ثابت کردیا۔ مضمون یا مقالے کی کئی قسمیں ہیں، مثلاً مضامین ادبی، سیاسی، تاریخی، سوانحی، معاشی، اخلاقی، مذہبی اور سائنسی ہوسکتے ہیں۔

آپ جس مضمون کو پڑھنے جا رہے ہیں وہ ایک سوانحی مضمون ہے اور انداز کے اعتبار سے بیانیہ مضمون ہے۔ یہ مضمون اکیسویں صدی کے اہم مضمون نگار پروفیسر عتیق اللہ کا ہے، جس میں کبیر کی زندگی اور شاعری پر بحث کی گئی ہے۔